مرثیہ

درحال شبیہ پیغمبر حضرت علی اکبرؑ

سنہ تصنیف ۱۳۳۸ھ

(منتخب بند: ۱۵۰/۶)

دعبل ہند مولانا سید فرزند حسین ذاخرؔ اجتہادی

(۱)

پھر ابتدائے شام سے آئی بلائے ہجر
پھر لے چلا سفینۂ دل ناخدائے ہجر
پھر شمعِ زندگی کو ہوئی بد ہوائے ہجر
پھر ہچکیوں سے آئی صدا ہائے ہائے ہجر
جو خوں نہ دے جگر کو وہ چھالا نہیں کوئی
مرتا ہوں اور پوچھنے والا نہیں کوئی

(۲)

کھنچتی ہوئی رگوں سے تلاطم ہے آشکار
نازک دل اتنا ہے کہ گراں ہے نفس کا بار
ہوتا مریضِ شامِ مصیبت جو ہوشیار
خواہش کسی کی ہوتی نہ ہنگامِ احتضار
طوفانِ بحرِ موت سفینے میں ڈھونڈھتا
کشتیٔ دل جبیں کے پسینے میں ڈھونڈھتا

(۳)

لاکھوں زبانیں کہہ گئی ہیں ماجرائے شب
جس سے خبر ہے دور وہ ہے مبتدائے شب
پائی نہ گر کے اوس نے بھی انتہائے شب
اپنی غرض سے بکھری ہے زلفِ دوتائے شب
زنجیر بن کے آگئے ہیں بال پاؤں میں
گیسو سکھائے جاتے ہیں تاروں کی چھاؤں میں

(۴)

تنہا مکاں میں دل کی صدا ہے یہ بار بار
اتنا نہیں کوئی جو نفس کا کرے شمار
بڑھتی ہوئی سیاہیِ فرقت سے ہوشیار
ٹوٹے بسان دل نہ کہیں آنسوؤں کا تار
باقی اگر امید رہے گی حیات کی
تارے یہ کام آئیں گے ظلمت میں رات کی

(۵)

ہنگامِ نالہ شعلہ فشانی نہ چھوڑنا
یادِ جمال و ذکرِ جوانی نہ چھوڑنا!
جو اپنے غم کی ہو وہ کہانی نہ چھوڑنا
ہر اشکِ چشم کی نگرانی نہ چھوڑنا
غفلت سے دل کی رات کے ارماں نکل نہ آئیں
اے رونے والو شمع سے آنسو بدل نہ جائیں

(۶)

فرقت کی رات کو شبِ گیسو نہ جانیو
جس میں نہ دردِ دل ہو وہ پہلو نہ جانیو
خوں کی مہک کو پھول کی خوشبو نہ جانیو
ان اشکِ گرمِ شمع کو آنسو نہ جانیو
پڑتی رہے نگاہ ہر اک انقلاب پر
دھوکہ نہ کھا جلے ہوئے موتی کی آب پر

(۷)

فرقت کی شب کے خواب نہ صورت نما ہوئے
آئے ہوئے نظر سے تصور جدا ہوئے
جن کی صدائیں گونج رہی تھیں وہ کیا ہوئے
سنتے ہیں قبلِ صبح جہاں سے فنا ہوئے
دے دے کے غم دلوں کو برابر سے اٹھ گئے
جو مرگئے مریض وہ بستر سے اٹھ گئے

(۸)

میری تباہیوں کی خبر کررہی ہے رات
نشتر کی طرح قلب میں گھر کررہی ہے رات
رگ، رگ میں شامِ ہجر اثر کررہی ہے رات
خوں دے رہے ہیں زخم نظر کررہی ہے رات
تجویز کی دعا نہ جگر کے لئے کوئی
اس کا نہیں خیال مرے یا جیئے کوئی

(۹)

آرام دے گا کیا دلِ اندوہ گیں مجھے
پیسے گی آسماں کی طرح سے زمیں مجھے
ہے موت کا سیاہئ شب میں یقیں مجھے
اس رات سے اماں نہ ملے گی کہیں مجھے
نیند آگئی تو سامنا ساعاتِ بد کا ہے
بند آنکھ اگر ہوئی تو اندھیرا لحد کا ہے

(۱۰)

آہوں سے کھنچ کے آگیا قلبِ تپاں تلک
سرخی لہو کی لے چلے اشکِ رواں تلک
جلتی ہے سوزِ زخمِ جگر سے زباں تلک
تڑپائے گا فلک مجھے آخر کہاں تلک
گیسو جو منتشر ہیں وہ سمٹیں گے شام کے
نالے اگر کروں گا کلیجے کو تھام کے

(۱۱)

نظارۂ مریضِ شبِ غم کرے گی رات
سرمہ جگر کے زخم کا پیہم کرے گی رات
نادِ علی کو بازووں پہ دم کرے گی رات
دنیا سے میرے اٹھنے کا ماتم کرے گی رات
کرتی رہے گی ذکرِ وفا روز نشر تک
کالا لباس تن سے نہ اترے گا حشر تک

(۱۲)

اللہ دے کسی کو نہ بے چارگی کی موت
ہوجاتی ہے کبھی کی مصیبت کبھی کی موت
غربت میں جانور کی ہو یا آدمی کی موت
پتھر کے دل کو توڑتی ہے بے کسی کی موت
آہیں اثر میں ڈوبی ہوئی ہوش کھوئیں گی
وہ نامراد ہوں کہ یہ راتیں بھی روئیں گی

(۱۳)

دھوکہ اجل کا دیتے ہیں آ آ کے غش پہ غش
پانی کی خواستگار ہے بھڑکی ہوئی عطش
بیمارِ شامِ ہجر سے ہیں دور ماہ وش
اک شمع رونے والی ہے اک دل ہے نالہ کش
سینے سے دم اکھڑتے ہوئے پاس آئے کون
کعبہ کو وقتِ نزع مرا منھ پھرائے کون

(۱۴)

بے حد برے ہیں دن سے کہیں شب کے واقعات
موت آئے گی ضرور اگر کٹ گئی یہ رات
بیمارِ غم میں سانس ہے یا ختم ہے حیات
تیمار دار کون ہے پوچھے جو جھک کے بات
نزدیک اجل ہے کوششِ گورو کفن نہیں
جنگل ہے ملکِ غیر ہے اپنا وطن نہیں

(۱۵)

طولِ شبِ فراق کی کاوش ہے دم بہ دم
تقدیر بد ہے موت کی سازش ہے دم بہ دم
اشکوں کی ابرِ چشم سے بارش ہے دم بہ دم
اکھڑے ہوئے نفس کی یہ خواہش ہے دم بہ دم
اتنا تو وقتِ موت کوئی باخبر رہے
زانو نہ ہو نصیب تو تکیہ پہ سر رہے

(۱۶)

دم نزع میں ترستا ہے گفتار کے لئے
بالیں پہ چاہیئے یہ مددگار کے لئے
کوئی دوا نہ پائے جو آزار کے لئے
پانی ضرور پاس ہو بیمار کے لئے
ایذائے نزع میں نہ بڑھے اور غم کہیں
نکلے نہ حلقِ خشک سے رک رک کے دم کہیں

(۱۷)

ہاں اے امید صاحبِ ایماں ہیں سیکڑوں
جنگل کا خوف کیا کہ نگہباں ہیں سیکڑوں
مشہورِ خلق حافظِ قرآں ہیں سیکڑوں
میدانِ کربلا میں مسلماں ہیں سیکڑوں
سن لیں گے گر خبر تو عیادت کو آئیں گے
مرجائے گا مریض تو میت اٹھائیں گے

(۱۸)

اتنا کھلے تو صاحبِ آزار کون ہے
جو ہے وطن سے دور وہ بیمار کون ہے
اپنی مصیبتوں میں گرفتار کون ہے
پانی کا تین دن سے طلبگار کون ہے
بیکس بھی ہے غریب بھی ہے میہمان بھی
احمدؐ کا نورِ عین بھی زہراؑ کی جان بھی

(۱۹)

اک دو کا ذکر کیا؟ ہیں بہتر مریضِ غم
جو ہے وہ زخم کھائے ہوئے سر سے تا قدم
موت آئی ہے وہاں جہاں پانی نہیں ہے کم
اس پر بھی یہ صدائیں ہیں غربت کی دم بہ دم
خنجر گلوں پہ پیاس کی حالت میں چل گئے
پانی کسی کو بھی نہ ملا دم نکل گئے

(۲۰)

تیمار دار کب پئے درماں کھڑے رہے
اکھڑا کی سانس صاحبِ ایماں کھڑے رہے
ہنگامِ نزع حافظِ قرآں کھڑے رہے
تڑپا کئے مریض مسلماں کھڑے رہے
آنکھوں سے شکلِ درد نہاں تک نہ کھینچ سکی
اک نوجواں کے دل سے سناں تک نہ کھینچ سکی

(۲۱)

وہ کون ہے جوان جو ہے صورتِ رسولؐ
کہتی ہے کس کو خلق گلِ گلشنِ بتولؑ
کس کا شباب دیکھ رہے ہیں دلِ ملول
کس چھٹنے والے باغ کا کھلتا ہوا ہے پھول
دل حسن پر کھنچے ہوئے ہیں مشرقین کے
اک گل مہک رہا ہے چمن میں حسینؑ کے

(۲۲)

پیری کی آنکھ کا جو اجالا وہ نورِ عین
ہے جس میں مصطفیٰؐ کا سراپا وہ نورِ عین
جو ہے امامِ دیں کی تمنا وہ نورِ عین
ماں جانتی ہے جس کو کلیجا وہ نورِ عین
دولت ہے ابنِ فاتحِ بدر و حنین کی
پالا ہے نامراد بہن نے حسینؑ کی

(۲۳)

جب رن میں قتل ہوگئے عباسؑ مہ جبیں
پہلے چچا کو روئے علی اکبرؑ حسیں
پھر لے کے آئی موت قریبِ امامِ دیں
کی عرض ہاتھ جوڑ کے یہ با دلِ حزیں
دادا کی جرأتوں کا کوئی امتحان دوں
اذنِ جہاد دیں مجھے بابا تو جان دوں

(۲۴)

سن کر بیانِ نورِ نظر شاہؑ نے کہا
ہاں ہاں جو کہہ رہے ہو وہ سب سچ ہے میں فدا
در پیش ابھی تمہارے الم کا ہے مرحلہ
فکر اس کی ہے کہ دل پہ گذرتی ہے آج کیا
قسمت میں دیکھنا ہے تنِ پاش پاش کو
لانا ہے رن سے اپنے برابر کی لاش کو

(۲۵)

کون اس طرح اٹھائے گا لختِ جگر کا داغ
دم بھر کی زندگی میں سہے عمر بھر کا داغ
آنکھوں کا نور کھوئے گا نورِ نظر کا داغ
پیری کے دن وطن سے جدائی پسر کا داغ
جلتی زمیں پہ نزع میں تڑپو تو کیا کریں
لپٹا لیا ہو دل سے تو کیوں کر جدا کریں

(۲۶)

قرباں پدر کو اے سببِ قوتِ جگر
یہ سب مصیبتیں ہیں مگر کچھ نہیں اثر
ہوں خواستگارِ مرضیٔ خلاقِ بحر و بر
گر ہے یہی خوشی تو کرو خلد کا سفر
سیدانیوں میں دشت سے لائیں گے لاش کو
گر دل قوی رہا تو اٹھائیں گے لاش کو

(۲۷)

رونے لگے یہ کہہ کے پسر سے امامِ دیں
جھک کر گلے سے باپ کے لپٹا وہ مہ جبیں
ممکن نہ ہوسکا جو سکونِ دلِ حزیں
خود بھی تڑپ کے روئے علی اکبرِ حسیں
غم ایسا قلبِ شاہ کو نورِ نظر کا تھا
بیتاب لختِ دل تھا یہ عالم جگر کا تھا

(۲۸)

کچھ دیر بے قرار رہے سرورِ جہاں
پھر دل سنبھال کر یہ پسر سے کیا بیاں
خیمے میں بہرِ اذنِ وغا جاؤ میری جاں
تھامے دل و جگر کو کھڑی ہوگی در پہ ماں
تاثیر کچھ تو ہو دلِ مادر میں چاہ کی
مل آؤ ان سے جن کو تمنا ہے بیاہ کی

(۲۹)

تسلیم کرکے باپ کو رن میں چلا پسر
آئی امیدِ قلب وجگر لے کے تابہ در
ناگہہ یہ آئی کانوں تک آوازِ پُر اثر
اکبرؑ تڑپ کے مرگئی ماں سوختہ جگر
صدمہ فراق کا ہے دلِ بے قرار پر
تم بعدِ دفن فاتحہ پڑھنا مزار پر

(۳۰)

بیتاب اور کر گیا دل نالۂ حزیں
آیا حرم میں نورِ نگاہِ امامِ دیں
دیکھا تپاں پھوپھی ہیں کہیں اور ماں کہیں
نالے یہ ہیں پسر مرا آیا بھی یا نہیں
میداں سے نورِ عینِ شہؑ مشرقین آئے
لختِ جگر کو دل سے لگالوں تو چین آئے

(۳۱)

دیکھا جو پاس آکے پھوپھی کا یہ حالِ زار
بولا یہ رو کے سید والا کا یادگار
کاہے کو اس قدر پھوپھی اماں ہیں بے قرار
بابا کو رن میں چھوڑ کے حاضر ہے جاں نثار
کس سے کہوں کہ درد کئی اک جگر میں ہیں
بیکس امام نرغۂ افواجِ شر میں ہیں

(۳۲)

زندہ جو رن میں تا بہ سحر تھے وہ مر چکے
سینہ سپر اپنی ہوئی تیغوں میں کر چکے
اپنے لہو سے دشتِ مصیبت میں بھر چکے
دنیا کے راستے سے مسافر گذر چکے
ڈرتا ہوں میں سپاہ کا ارماں نکل نہ جائے
خنجر گلوئے سرورؑ والا پہ چل نہ جائے

(۳۳)

گھر والوں کو خیالِ مصیبت ہے یا نہیں
تنہائی امام کی دہشت ہے یا نہیں
افواجِ روم و شام کی کثرت ہے یا نہیں
پیشِ نگاہ فردِ شہادت ہے یا نہیں
آگاہ ہیں پھوپھی بھی شہِ خاص و عام بھی
پہلے سے ہے لکھا ہوا اکبرؑ کا نام بھی

(۳۴)

ممکن نہیں اماں کی جو نکلے کوئی سبیل
بچپن کا وعدہ رن کے مصائب کی ہے دلیل
اقرارِ ذبح کر چکا جب وارثِ خلیل
اس دن سے آج کے لئے روتے تھے جبرئیل
سامانِ قتلِ حضرتِ شبیرؑ ہوگیا
محضر کا جو لکھا تھا وہ تقدیر ہوگیا

(۳۵)

ممکن کہاں جو عیش کو لے کر ضرر پھریں
ایسے کہاں نصیب مقدر اگر پھریں
ہم سب کے بعد بنتِ علیؑ در بدر پھریں
بابا گلا کٹائیں پھوپھی ننگے سر پھریں
یوں ہو تو فردِ بخششِ امت تمام ہے
بھائی کے ساتھ ساتھ بہن کا بھی نام ہے

(۳۶)

پہنچا یہاں تلک علی اکبرؑ کا جب بیاں
بولیں تڑپ کے خواہرِ سلطانِ انس و جاں
تم کو تو ہجرِ سیدِ مظلوم ہے گراں
ہم کیا بتائیں کیفیتِ قلبِ ناتواں
ہیں بے کسوں کی آس جو زندہ حسینؑ ہیں
اٹھارہ بھائیوں میں شہؑ مشرقین ہیں

(۳۷)

سب کے گلے پہ چل گئی تیغِ ستم کی دھار
بھائی کو بھی ہے موت کا مقتل میں انتظار
مہماں ہیں کوئی دم کے شہِ آسماں وقار
سب قتل ہوگئے مرے بابا کی یادگار
پالا تھا جن کو گود میں بے جاں وہ بن میں ہیں
بس اک محمدِ حنفیہ وطن میں ہیں

(۳۸)

لوٹا ہے ابتدا سے اجل نے پھوپھی کا گھر
امید جن سے کی وہ ہوئے عازمِ سفر
نانا ہیں اور نہ ماں ہیں نہ موجود ہیں پدر
بھائی حسنؑ کا زہر سے ٹکڑے ہوا جگر
کس کس سے یہ کہوں کہ فلک کی ستائی ہوں
اس بن میں بھی حسینؑ کے رونے کو آئی ہوں

(۳۹)

تم کو بھی اپنی گود میں پالا ہے میں نثار
اس دل سے پوچھو دے جو تمہیں اذنِ کارزار
واری مگر قضا پہ نہیں کوئی اختیار
رو کے تو کس طرح تمہیں رو کے یہ دل فگار
ناشاد و نامراد زمانے سے جاؤ گے
برچھی ضرور آج کلیجے پہ کھاؤ گے

(۴۰)

دل کی یہی خوشی ہے تو اچھا سدھاریئے
چن چن کے دشمنانِ شہِؑ دیں کو ماریئے
جن میں ہوائے کبر ہے وہ سرا تاریئے
رن میں شہید ہو کے پدر کو پکاریئے
مقتل سے لاش آئی تو جاں اپنی کھوئیں گے
خوں دینے والے زخم پہ منھ رکھ کے روئیں گے

(۴۱)

تقدیر ظلم موت سے راحت نہ پائے گی
وہ کون آنکھ ہے جو نہ آنسو بہائے گی
قسمت تمہارے بعد ابھی رنگ لائے گی
میت کوئی کمر کوئی ہاتھوں پہ آئے گی
افلاک کی جفائیں ہیں گردش کا دور ہے
قرباں پھوپھی ہوں ننھا مسافر اک اور ہے

(۴۲)

اکبرؑ پھوپھی سے پا چکے جب اذنِ کارزار
کچھ جھک کے کان میں کہا باچشمِ اشکبار
زینبؑ نے یہ سنا تو چلا آنسوؤں کا تار
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ سوگوار
دیتا نہ تھا رضا دلِ مضطر اسی لئے
زندہ پھوپھی ہے اے علی اکبرؑ اسی لئے

(۴۳)

زینبؑ کے اس بیاں سے قیامت ہوئی بپا
روئے پکار کر حرمِ سبطِ مصطفیٰؐ
لیلیٰ کے دل سے پھر تو تحمل نہ ہو سکا
رو کے جنابِ زینبؑ کبریٰؑ کو دی صدا
کیا آپ سے بیاں تھا مرے نورِ عین کا
ِللہ کچھ بتایئے صدقہ حسینؑ کا

(۴۴)

بولیں تڑپ کے ہائے کہے کیا دلِ فگار
بھابھی یہ مجھ سے کی ہے وصیت بحالِ زار
تیار ہو جو مدفنِ سلطانِ ذی وقار
پائینِ تربتِ شہؑ دیں ہو مرا مزار
سنگِ لحد پہ لکھ دے کوئی انقلاب میں
صدقے پسر پدر پہ ہوا ہے شباب میں

(۴۵)

حسرت بھرا کلام جو لیلیٰ نے یہ سنا
بولی کلیجہ تھام کے وہ غم کی مبتلا
اکبرؑ! اسی لئے تمہیں پالا تھا میں فدا
پیری میں نوجواں کے لئے ہم کریں بکا
اچھا سکوں دیا یہ دلِ بے قرار کو
رن میں پھوپھی بنائے تمہارے مزار کو

(۴۶)

ماں کا بیاں یہ سنتے ہوئے آئے تا بہ در
مڑ کر پھوپھی سے کہنے لگے پھر بچشمِ تر
ہشیار غش سے حضرتِ سجادؑ ہوں اگر
کہیئے گا کہہ گیا ہے یہ شبیرؑ کا پسر
تنہائی لحد ہے گراں قلبِ زار پر
پڑھیئے گا آپ بیٹھ کے قرآں مزار پر

(۴۷)

بھاری سفر عدم کا ہے اور یہ دلِ حزیں
جنگل میں ہوگی اور سیہ قبر کی زمیں
ممکن ڈرونے بن میں نہ ہوگی اماں کہیں
بابا سے چھوٹ کر میں اکیلا رہا نہیں
تکلیف دے نہ شام دلِ بے قرار کو
دن سے جلایئے گا چراغِ مزار کو

(۴۸)

اپنے کلامِ یاس کا اتنا پڑا اثر
خود بھی تڑپ کے روئے جو رویا تمام گھر
آواز دی یہ دور سے ماں نے پکار کر
برباد کر چلے ہمیں اے پارۂ جگر
یہ دل فگار قید میں جانے کو رہ گئی
ماں جنگلوں میں خاک اڑانے کو رہ گئی

(۴۹)

اور اس بیاں سے بڑھ جو گئیں بے قراریاں
پردے نے اٹھ کے شوقِ وغا کر دیا عیاں
دامن تک آیا آنکھ سے اشکوں کا کارواں
ماں سے وداع ہو کے مسافر ہوا رواں
کانپی زمیں فلک کا نیا دور ہوگیا
گھوڑے تک آتے آتے جری اور ہوگیا

(۵۰)

جب زیں تک آیا لختِ دلِ بادشاہِ دیں
خم ہو کے بائیں ہاتھ میں باگیں فرس کی لیں
دیکھا سمند نے طرفِ اکبرؑ حسیں
فرمایا آپ نے کہ نہ تھمنا بس اب کہیں
اب ہم ہیں، تو ہے، فوجِ ستم ہے، نہ غم اٹھا
جس پر فدا ہے دورِ جہاں، وہ قدم اٹھا

(۵۱)

تھامی ادھر لجام بڑھا اس طرف قدم
ڈھونڈھا ہوائے دشت کو زلفوں نے ہو کے خم
رن کا غبار اڑا طرفِ وادیٔ ستم
ذروں سے خاک، خاک سے ذرّے ہوئے بہم
جنبش نگاہِ حسن کی مہمیز ہوگئی
باگوں کی جنبشوں سے ہوا تیز ہوگئی

(۵۲)

پابندِ حکم ہوگیا اسپ سبک خرام
نقشِ قدم کی قید سے چھوٹا ہر ایک گام
مرضیٔ دل پہ لے چلا لختِ دلِ امام
اُتنا ہوا یہ تیز کھنچی جس قدر لجام
جو تا بہ عرش جائے وہ فریاد ہوگیا
قسمت پکارتی تھی کہ آزاد ہوگیا

(۵۳)

اک نوجوانِ ہیجدہ سالہ کا ہے سمند
دل کی طرح جہاں کی نگاہیں ہیں درد مند
آزادیوں کے ساتھ ہیں بے تابیاں پسند
پیدا ہوا ہے طور کی بجلی سے بند بند
عشاق کے دلوں کی طرح غیر حال ہیں
اک آئینہ میں جلد کے لاکھوں جمال ہیں

(۵۴)

سودائے عشق، حسن کے آغاز میں بڑھا
میداں کا انقلاب ہر انداز میں بڑھا
سوز و گداز پاؤں کی آواز میں بڑھا
گھوڑا کسی کا جلوہ گہہِ ناز میں بڑھا
جھونکا ہوا کو چال بتاتا ہوا چلا
انگڑائیاں غبار سکھاتا ہوا چلا

(۵۵)

مخفی کسی نگاہ کا تیرِ نظر چلا
پیچھے فرس کے کون یہ دل تھام کر چلا
پردے میں ہچکیوں کے تڑپ کر جگر چلا
محشر خرام حشر کی دیتا خبر چلا
اسرار کچھ عجیب طلسمِ قدم میں ہیں
وہ نقش پا میں ہیں جو دیارِ عدم میں ہیں

(۵۶)

عشقِ فرس طبیب ہے آزارِ حسن میں
شرطِ وفا مگر ہے نگہدارِ حسن میں
دردِ جگر کی دھوم ہے بیمارِ حسن میں
ترچھی نگاہ بکتی ہے بازارِ حسن میں
دل اپنا اہلِ عشق میں رسوا کرے کوئی
آنکھیں پکارتی ہیں کہ سودا کرے کوئی

(۵۷)

جاں دینے والے رکھتے ہیں الفت سے انہماک
ہوتا ہے کیا جو لاکھ زمانہ کرے ہلاک
خود اہلِ حسن و عشق میں ہے باطنی تپاک
دامن نظر کا ڈھونڈھتی ہے مرمٹوں کی خاک
چھپنے سے اور حسن بڑھا راہوار کا
سرمہ لگا رہی ہیں نگاہیں غبار کا

(۵۸)

تھا یہ فرس حسین و گل اندام و ماہرو
جادو بھری نگاہ میں ہے برہمی کی خو
ہے بال میں مہک صفتِ زلفِ مشک بو
نازک وہ دوڑنے میں چھلکنے لگے لہو
آیا نظر میں غیظ جو ابرو پہ بل پڑا
آنکھوں سے آنسوؤں کی طرح خوں ابل پڑا

(۵۹)

جو چال یہ چلا ستم ایجاد ہوگئی
تھی کس لحد کی خاک جو برباد ہوگئی
بل زلف کا کھلا تو پری زاد ہوگئی
سمجھی ہوا کہ قید سے آزاد ہوگئی
پھنسنے کا دامِ عشق میں پھر طور ہوگیا
بگڑے ہوئے فرس کا مزاج اور ہوگیا

(۶۰)

اللہ ری خوش خرامی اسپِ سبک عناں
نازک قدم ہوئے نہ کسی پھول پر گراں
نعلوں کی جابجا جو چمک سی ہوئی عیاں
سمجھی بہار پیرہنِ گل کی دھجیاں
صورت ہنسی ہنسی میں عیاں مطلبوں کی تھی
سرخی قدم کی تھی کہ گلوں کے لبوں کی تھی

(۶۱)

حوریں پکارتی تھیں کہ رن سے جناں میں چل
تن خاک سے اٹے گا نہ بادِ خزاں میں چل
بے حد جو خوش گوار ہو اس بوستاں میں چل
ہوں پھول بھی گراں تو دلِ باغباں میں چل
گلزار سے اڑے ہیں گلِ تر لئے ہوئے
ہیں جانور پروں میں نچھاور لئے ہوئے

(۶۲)

واں زلفِ حور کھل گئی اور یاں ہوا چلی
سمجھے یہ اہلِ عشق کہ آہِ رسا چلی
گھوڑے کے ساتھ ساتھ تڑپ کر دعا چلی
دل لے کے آرزو سوئے عرشِ خدا چلی
اللہ رے اوجِ باغِ رسالت کے پھول کا
اڑنے لگا براق شبیہِ رسولؐ کا

(۶۳)

گیسو کھلے تو مشکِ تتاری فرس بنا
اٹھی جو خاک خطِّ غباری فرس بنا
وجہِ نزولِ رحمتِ باری فرس بنا
محبوبِ کبریا کی سواری فرس بنا
جنت میں پھر طلب ہوئی ربِ جلیل کی
چلنے لگیں ہوائیں پرِ جبرئیل کی

(۶۴)

آوازیں ہر قدم پہ یہ آتی ہیں برمحل
تو دل کچل رہا ہے کہ عشاق کی اجل
کہہ دے دیارِ حسن میں کس کس کا ہے عمل
او چلنے والے یوں نہ جوانی کی چال چل
بسمل تڑپ کے حسن کی منزل تک آ گئے
بہکے جگر سے جو وہ قدم دل تک آ گئے

(۶۵)

سنتا ہوا تمام زمانے کی داستاں
نازک مزاج تھا طرفِ فوجِ کیں رواں
پہنچا قدم سمندِ فلک سیر کا جہاں
اٹھا کیں اس مقام سے پُر زور آندھیاں
گھوڑے کا ساتھ دشت میں دیتی رہی زمیں
ہر ہر قدم پہ کروٹیں لیتی رہی زمیں

(۶۶)

محشر کئے تھا خاک میں چھپ چھپ کے راہوار
لرزاں دھمک سے پاؤں کی تھا دشتِ کارزار
آتا تھا یہ ادھر نگراں تھے ادھر سوار
دکھلائی دیتی تھی کبھی بجلی کبھی غبار
ان سے بھی تھا قریب جن آنکھوں سے دور تھا
اڑتا ہوا سمند نگاہوں کا نور تھا

(۶۷)

بیٹھا ادھر غبار ادھر جا پڑی نگاہ
چمکا فرس نظر میں تو یہ کہہ اٹھی سپاہ
کی ہے تمام برقِ جہندہ نے رن کی راہ
ہے بن کسی کلیمِ شجاعت کی جلوہ گاہ
ہے لن ترانیوں میں اثر برقِ طور کا
ظاہر ہوا وہ آج جو جلوہ تھا دور کا

(۶۸)

آیا ہے کون سا یہ غضنفر پئے وغا
شک دے رہے ہیں حسن و دلیری جدا جدا
کہتا ہے غیظِ چشم کہ آئے ہیں مرتضیٰؑ
چہرہ پکارتا ہے کہ ہیں زیں پہ مصطفیٰؐ
یا رب یہ کس نہالِ شجاعت کا پھول ہے
سایہ اگر نہ ہو تو خدا کا رسولؐ ہے

(۶۹)

پلٹا ہے کیا جناں سے پیمبرؐ کا راہوار
حق کا نبیؐ کہاں ، کہاں میدانِ کارزار
پیدا ہے دل میں رخ کی شباہت سے انتشار
لے دوش سے سپر تو کھلے کچھ مآلِ کار
پورا یقیں ہے حسن عدیم المثال میں
پنہاں ہوئی ہو مُہر نبوت نہ ڈھال میں

(۷۰)

رخ کی ضیائیں لے رہے ہیں مہر و ماہ تک
رہتے ہیں ان کے بس میں سپید و سیاہ تک
ہو آئے ہیں یہ طور کی بھی جلوہ گاہ تک
کہتی ہے شان جائیں گے عرشِ الٰہ تک
خوشنودیٔ کریم سے قدر آج ہوئے گی
گذرے یہ دن تو رات کو معراج ہوئے گی

(۷۱)

یہ ذکر تھا جو اسپِ سبک خیز و برق دم
لایا جری کو متصلِ لشکرِ ستم
کھینچی ہوئی لگام کا ایسا ہوا کہ تھم
وہ رن میں رک گئے کہ جو آزاد تھے قدم
تکلیف آ کے نعل میں دہ چند ہوگئی
ٹھہرا زمیں پہ پاؤں ہوا بند ہوگئی

(۷۲)

بولا دلیر روک کے گھوڑا بعزّ و شاں
ہے ہم سے باخبر کہ نہیں لشکرِ گراں
مشہور تھی جوانیٔ یوسف جہاں جہاں
اب ہے وہیں پہ تذکرۂ اکبرؑ جواں
ہوگی نگاہ ان پہ کبھی انتخاب کی
اب آج کل ہے دھوم ہمارے شباب کی

(۷۳)

پابندِ حسنِ دوست تھا یوسفؑ کا حالِ زار
خلوت نشینِ غیر رہے عزت و وقار
نیرنگِ حسن نے نہ رکھا کوئی اعتبار
ظاہر میں زر خرید تھے باطن میں شہر یار
خالق کی مصلحت سے سفر تھا یہ آپ کا
تھا امتحان، فرقتِ یوسف سے باپ کا

(۷۴)

پہلے پہل کی دوریاں اور فرقتِ مکاں
یوسف تپاں کہیں، کہیں یعقوب تھے تپاں
پردا پڑا تھا باپ کے، بیٹے کے درمیاں
حق کا کہاں رسولؑ، خریدار یاں کہاں
طُرفہ سبق ہے عشق کے آزار کے لئے
بھیجے گئے تھے مصر کے بازار کے لئے

(۷۵)

الجھن تھی دل کو زلفِ تمنا کے ہجر میں
زنداں کی راتیں کٹتی تھیں لیلیٰ کے ہجر میں
بیمار جاں بلب تھے مسیحا کے ہجر میں
بیٹے کو روئے وہ یہ زلیخا کے ہجر میں
تکلیفیں بڑھ رہی تھیں تحمل ذرا نہ تھا
دو دل تڑپ رہے تھے یہ عشقِ خدا نہ تھا

(۷۶)

خواہاں خدا کا طالبِ ادراک و ہوش ہے
یوسف سے اہلِ مصر میں بے جا خروش ہے
دو سمت ایک طرح محبت کا جوش ہے
اک حسن بیچتا ہے تو اک جاں فروش ہے
اتنا تو امتحاں میں بشر اختیار لے
وہ جنس، جنس ہے جسے پروردگار لے

(۷۷)

گو حسن و عشق میں ہے ازل سے فسوں گری
کس بات میں ہے حضرتِ یوسفؑ کو برتری
دیکھیں ادھر بھی اذن اگر دے پیمبری
بائع ہے کون جان کا اور کون مشتری
آسان تھی وہ رات نہ زوجِ بتولؑ پر
سوئے تھے جان بیچ کے فرشِ رسولؐ پر

(۷۸)

دادا رضائے حق کا سمجھتے جو تھے مآل
یہ تابہ زندگی نہ گیا قلب سے خیال
تھی آرزو کوئی گلِ تازہ ہو پائمال
باقی تھا نوجوانیٔ فرزند کا ملال
تھی دل کو ایک بات جو مطلوب رہ گئی
تاثیرِ دردِ حضرتِ یعقوب رہ گئی

(۷۹)

چھوڑی مگر جہاں میں نہ خوشنودیٔ خدا
دادا نے اپنا نورِ نظر منتخب کیا
دردِ مفارقت کو بھی منظور کرلیا
یوسفؑ اگر ہوں میں تو وہ یعقوبؑ کربلا
دکھلا دیا یہ صبر شہِ مشرقینؑ نے
رن میں ہنسی خوشی مجھے بھیجا حسینؑ نے

(۸۰)

یہ ذکر تھا ابھی جو بڑھے دشمنانِ دیں
تیغیں کھنچیں، سوار چلے، کانپ اٹھی زمیں
باجوں نے الرحیل کی آوازیں رن میں دیں
گویا الٹ لی نالۂ قرنا نے آستیں
رازِ نبرد تھے جو نہاں وہ بتا دئے
طبلِ وغا نے جنگ کے پردے اٹھا دئے

(۸۱)

آئے سپاہِ ظلم سے ناوک جو بار بار
تھا رن میں برچھی کا جوانی کو انتظار
انگڑائی لی دلیر نے مابینِ کارزار
خوں رگ سے بازوؤں پہ ہوا دوڑ کر نثار
تلوار پر نگاہ جو کی زیں پہ جھوم کے
ارماں نکالے ہاتھ کو قبضہ نے چوم کے

(۸۲)

مجمع بڑھا جو لشکرِ خانہ خراب کا
لے کر چلی حسام اثر انقلاب کا
دکھلایا کھنچ کے تیغ نے غصہ جناب کا
یاد آگیا شباب رسالت مآبؐ کا
آواز دی یہ دشت میں فوجِ جھول نے
کھینچی ہے تیغ جنگِ احد میں رسولؐ نے

(۸۳)

آیا جری کی زد پہ ادھر لشکرِ ستم
اک ہاتھ ادھر بلند ہوئی تیغِ برق دم
کھایا ادھر حسامِ دلاور نے سر پر خم
بہہ کر ادھر لہو نے لیا بوسۂ قدم
قسمت کی نامرادیاں بتلا کے گر پڑا
تن زینِ راہوار سے لہرا کے گر پڑا

(۸۴)

خوں کیا پیا کہ ذائقۂ تیغ بڑھ گیا
لب چاٹنے لگی یہ لہو سے مزا ملا
اول کا مانگا دوسرے ظالم سے خوں بہا
گردن جھکائی اس نے، کیا اس نے سر جدا
دو قتل ہوگئے جو سپہ زیر ہوگئی
اب تو حسامِ صاعقہ دم شیر ہوگئی

(۸۵)

دی دشمنوں کو تن کے صدا رن میں بڑھتے آؤ
دل کا مزاج پوچھے گا بڑھ کر جگر کا گھاؤ
یاں کی کمی سے حشر کا بڑھ جائے گا جماؤ
ڈوبے گی جا کے قعرِ جہنم میں دل کی ناؤ
تقدیر لے کے جائے گی پستی میں اوج سے
کشتی یہ بیٹھ جائے گی شعلوں کی موج سے

(۸۶)

افسانہائے حسن سنو گر تو کچھ سناؤں
انگڑائیوں کو لیتی ہوئی زخمِ تن میں جاؤں
دل پہلوؤں سے دو تو کبھی غیظ میں نہ آؤں
نیچی نظر اٹھاؤ تو نام اپنا میں بتاؤں
میری ادائیں وقتِ وغا جانتے بھی ہو
کس نوجواں کی تیغ ہوں پہچانتے بھی ہو

(۸۷)

جس سے اماں سپاہ نہ پائے گی وہ جواں
بل جس کی زلف غیظ میں کھائے گی وہ جواں
جس کی نگاہ خوں میں نہائے گی وہ جواں
پیری نہ جس کے سامنے آئے گی وہ جواں
بتلا رہا ہے جوشِ وغا حال غیب کا
رہ جائے گا شباب کو ارماں شباب کا

(۸۸)

جس میں خدا کا نور ودیعت ہے وہ جواں
جو تشنگی میں صاحبِ ہمت ہے وہ جواں
رگ رگ میں جس کے خونِ نبوت ہے وہ جواں
جو ورثہ دارِ زورِ امامت ہے وہ جواں
عالم میں یادگار خدا کے ولی کا ہے
لختِ دلِ حسینؑ ہے پوتا علیؑ کا ہے

(۸۹)

وقتِ وغا ملے گی زمیں رن کی تا بہ شام
عالم میں ہے دلیر و جری یہ خجستہ فام
دادا امام ، باپ امام اور چچا امام
چوتھے امام بھائی ہیں سجادؑ نیک نام
لڑنے وہ آئے رن میں جو خواہانِ گور ہے
ان بازوؤں میں چار اماموں کا زور ہے

(۹۰)

اک حشر تیغ سے دمِ رفتار آ گیا
تن پر لہو جو بہہ کے کئی بار آ گیا
رگ رگ میں رنگ پھیل کے گلنار آ گیا
تلوار خوں سے بھر جو گئی پیار آ گیا
قوت پہ بازوؤں کے جری جھومنے لگا
قبضہ دلیر وقتِ وغا چومنے لگا

(۹۱)

غصے میں تھا جو نورِ نگاہِ امامِ دیںؑ
لہرا رہے تھے دوش پہ گیسوئے عنبریں
آتا تھا ہاتھ جب سرِ افواج اہلِ کیں
خوں دیکھتی تھی چڑھ کے بلندی پہ آستیں
اک حشر تھا اسد کی کلائی سے فوج پر
روحیں نثار ہوتی تھیں بازو کے اوج پر

(۹۲)

کھوتا ہے ہوش عہدِ جوانی میں تن کا رنگ
دکھلا رہی تھی رخ کی لطافت چمن کا رنگ
آڑے پڑے جو زخم کھلا بانکپن کا رنگ
یہ کہہ رہا تھا زلفِ شکن در شکن کا رنگ
قصہ تمام آج ہے برنا و پیر کا
پوتا بگڑ گیا ہے جنابِ امیرؑ کا

(۹۳)

غصہ بھری وہ آنکھ وہ جرأت وہ صفدری
وہ باڑھ پر حسام وہ زورِ غضنفری
وہ سیکڑوں کی بھیڑ میں تنہا دلاوری
خیبر شکن وہ ہاتھ وہ حسنِ پیمبری
دو ہو رہی ہے فوجِ ستم عرض و طول میں
شانِ یداللّٰہی ہے جمالِ رسولؐ میں

(۹۴)

آفت کا معرکہ تھا قیامت کی دار و گیر
تھے متصل دلیر کے لاکھوں جوان و پیر
سن سن کے دے رہی تھی صدا تیغِ بےنظیر
کثرت سے اپنی دھوپ کو روکے ہوئے تھے تیر
پہنچی تھیں آسماں کی بلائیں یقین تک
آتے تھے دن کو ٹوٹ کے تارے زمین تک

(۹۵)

باجے بجا رہے تھے ادھر دشمنانِ دیں
دل کی طرح لرز رہی تھی فرسخوں زمیں
ہنگامِ جنگ جوش پہ تھی فوجِ اہلِ کیں
الٹے ہوئے دلیر تھا کہنی تک آستیں
ہرضرب پرصدائیں تھیں خیبر شکن ہوں میں
نورِ نگاہ و لختِ دلِ پنجتنؑ ہوں میں

(۹۶)

پوتا بڑھا یہ کہہ کے شہِ قلعہ گیر کا
یاد آ گیا جلال جنابِ امیرؑ کا
وہ بٹ گیا ہوا میں جو پلہ تھا تیر کا
سر ٹھوکروں میں آ گیا برناو پیر کا
گیتی کے انقلاب کا پھر طور ہوگیا
غصہ جو آ گیا تو شباب اور ہوگیا

(۹۷)

جو وار منجھ گئے ہیں وہ دکھلائے جاتے ہیں
تیرِ نگاہ، قلب کو برمائے جاتے ہیں
غصہ جو ہے تو زلف میں بل آئے جاتے ہیں
بربادیٔ سپہ کی قسم کھائے جاتے ہیں
میت لہو کی دھار سے اٹھوا کے جا پڑے
پایا اگر دلیر تو جھلاّ کے جا پڑے

(۹۸)

محشر کئے تھے جنگِ علی اکبر جواں
گھبرا رہے تھے رن میں جو نامی تھے پہلواں
دریا لہو کا بن گئی تھی تیغِ خوں فشاں
دنیا کے پانچ بحر بنے پانچ انگلیاں
گیتی کی طرح کانپتا تھا اژدہام تک
بہتے ہوئے لہو کا ارادہ تھا شام تک

(۹۹)

بگڑا ہوا دلیر تھا سہمی ہوئی سپاہ
وہ زخمِ دل ابل پڑا جس پر پڑی نگاہ
وہ ہاتھ تھا کہ جس کا نہ تھا کوئی سدِّ راہ
زرہوں کا بھی وسیع نہ تھا دامنِ پناہ
پیدل ہو یا سوار لہو تن میں بھر گئی
جب سر پہ تیغ آئی زمیں میں اتر گئی

(۱۰۰)

پہنچا تھا بہہ کے ہاتھ سے خوں آستیں تک
تن کی طرح اجڑ گئے گھوڑوں کی زین تک
کھوئے ہوئے مکاں کی طرح تھے مکین تک
آتی تھی تیغ خود سے پڑ کر زمین تک
دو کر رہے تھے غیظ میں فوجِ ذلیل کو
ہر ضرب ڈھونڈھتی تھی پرِ جبرئیل کو

(۱۰۱)

برہم جری رہا تو یہ افواجِ کیں نہیں
دو خود ہوگئے تو سلامت جبیں نہیں
اٹھے قدم اگر تو اماں پھر کہیں نہیں
یا آج آسمان نہیں یا زمیں نہیں
روکے ہے راہ تیغِ بہادر پلٹ چلو
کہتے تھے زلزلے کہ زمانے سے ہٹ چلو

(۱۰۲)

تھا دشت میں لہو کا کئی کوس تک بہاؤ
نالاں تھا افسروں کی طرح فوج کا جماؤ
تھے جن کے ناخدا وہی ڈوبی ہوئی تھی ناؤ
میداں میں دل کی طرح تھے اجڑے ہوئے پڑاؤ
ڈالا تھا بوجھ گر کے مکاں نے مکین پر
خیموں نے سینے ٹیک دئے تھے زمین پر

(۱۰۳)

جس پر اکڑ رہے تھے جری وہ نفس نہ تھا
جس کو لجام تھام لے ایسا فرس نہ تھا
خود اپنے مرکبوں پہ سواروں کا بس نہ تھا
تیروں کی بے رخی سے کمانوں میں کس نہ تھا
روحیں فراقِ تیغ سے آوارہ ہوگئیں
تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کے ناکارہ ہوگئیں

(۱۰۴)

نکلیں جو خنجروں سے وہ آساں تھیں مشکلیں
طے ہو رہی تھیں قعرِ جہنم کی منزلیں
ٹاپوں سے بن گئی تھیں بگولوں کی محملیں
میدانِ کیں میں گرم تھیں ذروں کی محفلیں
تزئیں یہ روزِ جنگ ہوئی روزگار کی
خیمے تھے آسماں کے قناتیں غبار کی

(۱۰۵)

خوں ریزیاں وہ تیغ کی وہ فوج کا خروش
باجے وہ بجنے والے ہوئے دفعتاً خموش
دب دب کے آشیاں میں رہے طائرانِ ہوش
ٹکرا رہا تھا سُم سے سمندوں کے خوں کا جوش
تھی بھی تو خوں میں شکل یہ تن کے قرار کی
تھامے ہوئے رکاب تھی کشتی سوار کی

(۱۰۶)

چلا رہے تھے نالاں کشانِ عراق و رَے
رن میں قضا سے ہوگی کشاکش یہ تابہ کے؟
ارمانِ دل کی قبر ہے تازہ جو زخم ہے
بے چینیوں سے ہوتے ہیں جادے عدم کے طے
زندہ ہیں گو لحد میں مگر جسمِ زار ہے
جو دھار ہے لہو کی وہ شمع مزار ہے

(۱۰۷)

پُر ہول و خوفناک تھا میدانِ گیر و دار
گھوڑے سے اور سوار سے اونچی تھی خوں کی دھار
پہلو بدل رہی تھی زمیں گاہ جسم زار
اٹھ اٹھ کے لال آندھیاں بن بن گئے غبار
تھی لحظہ لحظہ شکل نئی رزم گاہ کی
دنیا کا انقلاب تھی گردش سپاہ کی

(۱۰۸)

جو دل نے چاہا زور نے وہ مدعا دیا
آغازِ جنگ نے اثرِ انتہا دیا
رن میں لہو کا تیغ نے دریا بہا دیا
جو منھ سے کہہ دیا تھا وہ دم میں دکھا دیا
پسپا کیا وغا میں شغالوں کو شیر نے
چاروں طرف سے فوج سمیٹی دلیر نے

(۱۰۹)

اللہ کیا دلیر تھا نورِ نگاہِ شاہ
اتنی بڑی سپہ کو نہ تھی دشت میں پناہ
ملتی نہیں کسی کو جو امن و اماں کی راہ
مڑنے لگی اشارۂ شمشیر پر سپاہ
مانی ہوئی شکست دلیروں کو دے چلا
اک نوجواں نبرد میں لاکھوں کو لے چلا

(۱۱۰)

گھوڑوں کو تازیانہ ہوئی تیغِ لاجواب
بھاگی نبرد سے سپہِ خانماں خراب
عالم پہ ہے غبار کے اُٹھنے سے انقلاب
ساقی چھپا نہ گرد کے پردے میں آفتاب
رن کی ہوئی ہے دھوپ نہاں اژدہام میں
نصف النہار دیکھنا ہے خطِّ جام میں

(۱۱۱)

لڑنے میں لطف لے چکیں فوجیں نفاق کا
دن ختم کر چکا ہوں تڑپ کے فراق کا
دامن امید تھام چکی اشتیاق کا
ساقی بتا دے فرق حجاز و عراق کا
دوری ہے کتنی وادیٔ خُمِ غدیر سے
اک جام مانگنا ہے جناب امیرؑ سے

(۱۱۲)

اعجاز حسن و عشق کا اللہ رے اثر
میدان سے حجاز تک آئی مری نظر
دیکھا خم غدیر پر آفت کا شور و شر
ہے مست حُبِ ساقیٔ کوثر سے ہر بشر
اشخاصِ منفرد بھی ہیں اور کارواں بھی ہیں
دلدادہ مئے کے پیر بھی ہیں، نوجواں بھی ہیں

(۱۱۳)

احباب دل میں خوش ہیں جو دشمن ہیں منفعل
بدلا ہے شادمانیوں سے رنجِ جانگسل
شوقِ غدیرِ خم سے نہیں قلب مضمحل
جلتی ہوئی زمیں ہے تڑپتے ہوئے ہیں دل
یہ جا مجوزہ ہے خدائے جلیل کی
جھاڑی ہوئی زمیں ہے پرِ جبرئیل کی

(۱۱۴)

وہ بادِ سامِ دشت سے اک اک بشر حزیں
ماتھے وہ لال لال وہ رخسار آتشیں
جلتے ہوئے وہ دل عرق آلود وہ جبیں
وہ گرم گرم خاک وہ تپتی ہوئی زمیں
دنیا و دیں کی سعی بھی ہے مدعا بھی ہے
ایسی سجی ہے بزم کہ جس میں خدا بھی ہے

(۱۱۵)

مدِّ نظر جو ہے یہ بشیر و نذیر کو
مژدہ کوئی سناؤں میں برناو پیر کو
اپنا وصی کیا ہے جنابِ امیرؑ کو
جنت بنا دیا ہے زمینِ غدیر کو
بتلا رہے ہیں مرتبہ زوجِ بتولؑ کا
پھیلا ہوا ہے دامنِ حکمت رسولؐ کا

(۱۱۶)

صحرا میں آہوؤں کی نہ تم جست دیکھنا
بالا نہ دیکھنا نہ سوئے پست دیکھنا
مرغوب جو نبیؐ کو ہے وہ بست دیکھنا
ہاں اے جوانو! ہاں نگہہِ مست دیکھنا
پیروں کو بھی شراب کے نشہ سے کام ہے
وہ رعشہ دار ہاتھ پہ بوذرؓ کے جام ہے

(۱۱۷)

ناکارہ ہوکے رہ گئی تاثیر ساقیا
نو عمر کرنے پائے نہ تدبیر ساقیا
ہم سب پہ لے گئے سبقت پیر ساقیا
یہ اپنا اپنا بخت یہ تقدیر ساقیا
تھا جن کا مردہ دل وہ زمانے میں جی گئے
دس حصے اس شراب کے سلمان پی گئے

(۱۱۸)

جاتے ہیں کربلا کی طرف رندِ بادہ نوش
باقی ہے فوج کیں کا ابھی تک وہی خروش
ہوتا نہیں ہے کم علی اکبرؑ کے دل کا جوش
ہیں زیرِ تیغ رن میں اسی طرح سر فروش
عالم دمِ نبرد وہی تاب و تب کا ہے
خیمے پہ ابنِ سعد کے مجمع غضب کا ہے

(۱۱۹)

اب طبل کی صدا ہے نہ باجوں کی وہ ہے دھوم
آگے ہیں پیدلوں کے سواران شام و روم
نالان و بدحواس رواں ہے سپاہِ شوم
خیمے کے آس پاس ہزاروں کا ہے ہجوم
آئی ہے آسماں سے تباہی زمین پر
کٹ کٹ کے گر رہے ہیں سپاہی زمین پر

(۱۲۰)

لشکر کے پیچھے پیچھے ہے وہ آسماں سریر
ہے گرد میں چمکتی ہوئی تیغِ بے نظیر
تولے ہوئے حسام ہے ڈیوڑھی پہ ہر شریر
جھک جھک کے رن کو دیکھ رہے ہیں جوان و پیر
اٹھا غبار راہ میں اک پھیر آگیا
اک شور ہے کہ آگیا وہ شیر آگیا

(۱۲۱)

یاں تو یہ تہلکہ ہے ادھر شاہِ ذی وقار
کرسی سے اٹھ کے دیکھ رہے ہیں مآلِ کار
دل کی تڑپ سے ایک جگہ پر نہیں قرار
تھامے ہوئے جگر کو ٹہلتے ہیں بار بار
کہتا ہے دل کہ ختم یہ جوش اور امنگ ہے
آخر یہ تین روز کے پیاسے کی جنگ ہے

(۱۲۲)

فضّہ نے بڑھ کے حضرتِ زینبؑ کو دی صدا
لونڈی نثار دید کے قابل ہے یہ وغا
میں اپنے شاہزادۂ عالم پہ ہوں فدا
جاتا ہے وہ بھگائے ہوئے لشکرِ جفا
حق کی عطا قریب ہوئی شکر کیجئے
بی بی ظفر نصیب ہوئی شکر کیجئے

(۱۲۳)

باجوں کا وہ سکوت وہ قابو میں فوجِ شر
ہر سر پہ وہ چمکتی ہوئی تیغِ شعلہ ور
لب دھوپ سے وہ خشک وہ غصہ بھری نظر
وہ لمبے لمبے بال وہ چہرہ عرق سے تر
سینے میں کس طرح سے قوی دل ہو باپ کا
اللہ کیا دلیر ہے فرزند آپ کا

(۱۲۴)

پیروں کو قتل کر کے جوانوں پہ جا پڑا
چلہ کھنچا تو بڑھ کے کمانوں پہ جا پڑا
رایت اگر بڑھے تو نشانوں پہ جا پڑا
ٹوکا ہوا دلیر سنانوں پہ جا پڑا
قربان رن میں چاند سے چہرے پہ غیر ہو
دیتی ہوں یہ دعا کہ کلیجے کی خیر ہو

(۱۲۵)

تڑپا جو دل تو زینبؑ کبریٰ نے دی صدا
فضّہ ترے کلام نے بے چین کردیا
کیسی سناں یہ کس کا جگر؟ تو نے کیا کہا
اس وقت نیزہ داروں سے کیا رن میں ہے وغا
زائد اذیتِ دلِ ناشاد ہوگئی
ہے ہے اگر یہ سچ ہے تو برباد ہوگئی

(۱۲۶)

فضّہ تڑپ رہا ہے مرا دل جگر کے پاس
بھیجوں کسے میں جنگ میں نورِ نظر کے پاس
کیونکر بہن یہ جائے شہِ بحر و بر کے پاس
پہنچا دے ہاتھ تھام کے زینبؑ کا در کے پاس
جس حسن پر ہے دل مرا قربان دیکھ لوں
میں آخری شباب کی پھر شان دیکھ لوں

(۱۲۷)

لایا جو بخت خواہر سرورؑ کو تا بہ در
آفت کی بھیڑ میں علیؑ اکبر پڑے نظر
دیکھا کہ اک دلیر ہے فوجوں پہ حملہ ور
گیسو ہوا سے دشت میں اڑتے ہیں دوش پر
تلواریں کھا رہے ہیں سپاہی رکے ہوئے
تیغیں لگا رہے ہیں فرس پر جھکے ہوئے

(۱۲۸)

بولیں تڑپ کے خواہرِ سلطانِ نیک اساس
یہ جنگ یہ شباب یہ سولہ پہر کی پیاس
لڑتے ہو گر تو بھیڑ میں باقی رہیں حواس
نیزے لئے ہوئے ہیں ستم پیشہ آس پاس
شوقِ نبرد ہے تو مری بات ماننا
میں صدقے جاؤں جنگ میں سینہ نہ تاننا

(۱۲۹)

ہمشیرِ شاہؑ دیکھ رہی تھیں ابھی وغا
حملہ وہی تھا اور وہی حشر تھا بپا
کیا جانے کون سا وہ نظر آیا واقعہ
اف کہہ کے جس نے فرشِ زمیں پر بٹھا دیا
اتنا تڑپ کے کہہ سکیں برباد کر گئے
میں لٹ گئی شباب میں اکبرؑ گذر گئے

(۱۳۰)

بیٹھیں ادھر تو تھام کے دل زینبؑ حزیں
طبلِ ظفر سے کانپ اٹھی اس طرف زمیں
کہتے ہوئے یہ رن کو چلے بادشاہِ دیںؑ
اکبرؑ! تمہاری موت کا پہلے سے تھا یقیں
تھے وہ قضا نبرد میں جو نیزہ دار تھے
تم کو وغا کا شوق تھا ہم بے قرار تھے

(۱۳۱)

اب جو کہو کرے وہ اسیرِ بلا و غم
تم ہو زمینِ گرم ہے اور لشکرِ ستم
کس سے کہیں کہ دردِ جگر ہے سوا کہ کم
تم جس جگہ گرے ہو پتا دو تو آئیں ہم
اس فکر سے کچھ اور بھی دل پاش پاش ہے
ٹوٹی ہوئی کمر ہے ضعیفی ہے لاش ہے

(۱۳۲)

میت تمہاری رن سے اٹھائیں گے کس طرح
آنکھیں جواب دے گئیں آئیں گے کس طرح
پوشیدہ راہ ہے تمہیں پائیں گے کس طرح
مقتل تک آ کے خیمے میں جائیں گے کس طرح
تشنہ دہان و فاقہ کش و بے نوا ہوں میں
آئی تھی کچھ بہن کی صدا جب چلا ہوں میں

(۱۳۳)

بے تاب کر رہا ہے جو دل ہجرِ نورِ عین
کھوئی غمِ امامؑ نے دنیا کی زیب و زین
خوں رو رہے ہیں ماتمِ سرورؑ سے مشرقین
مقتل میں آئے ٹھوکریں کھاتے ہوئے حسینؑ
دم ہجر کے پیام کو دیتا ہوا ملا
بیٹا زمیں پہ ہچکیاں لیتا ہوا ملا

(۱۳۴)

دل ہل گیا جو سرخ ملی خون سے زمیں
پہلو میں نورِ عین کے بیٹھے امامِ دیں
شانہ ہلا کے کہنے لگے بادلِ حزیں
بیٹا پیام ماں کو کوئی دوگے یا نہیں
رن میں کوئی پدر سے وصیت ہے یا نہیں
ان ہچکیوں سے نزع میں مہلت ہے یا نہیں

(۱۳۵)

کچھ رہ گئی جو تھی رمقِ تن میں جانِ زار
فریادِ شہؑ سے ہوگئے دم بھر کو ہوشیار
جنبش ہوئی جو لب کو دمِ نزع بار بار
جلدی سے جھک کے سننے لگے شاہؑ نامدار
اتنا ضعیف کردیا طاقت نے چھوڑ کے
باہر صدا چلی جگر و دل کو توڑ کے

(۱۳۶)

کہنے لگے یہ باپ سے باچشمِ خوں فشاں
ہیں دو وصیتیں مری اے شاہؑ دو جہاں
مجھ کو جو مار ڈالے کھٹکتی ہوئی سناں
میت اٹھا کے جلد چلیں سرورؑ زماں
سینے کے گھاؤ غم سے دوبارہ ابل نہ آئیں
سر ننگے دشت میں پھوپھی اماں نکل نہ آئیں

(۱۳۷)

سنیئے تو غور و فکر سے اے شاہؑ نامدار
آتی ہے یہ صدا پھوپھی اماں کی بار بار
اکبرؑ کے بعد اکیلے ہیں سلطانِ ذی وقار
ہو اذن اگر تو آئے مدد کو یہ سوگوار
گھر میں ضعیف باپ سے لائی نہ جائے گی
کڑیل جواں کی لاش اٹھائی نہ جائے گی

(۱۳۸)

ڈر ہے کہ جب ملے گا نہ شہؑ سے کوئی جواب
سر ننگے لے نہ آئے کہیں جوشِ اضطراب
اور دوسری یہ عرض ہے اے آسماں جناب
بعدِ امام ہوگا ابھی اور انقلاب
جب ہوگا خاتمہ دل و جانِ بتولؑ کا
خیمہ جلایا جائے گا سبطِ رسولؐ کا

(۱۳۹)

سجادؑ دل حزیں سے جو رخصت ہوں شاہِ دیںؑ
کہیئے گا تھی یہ عرضِ علیؑ اکبرِ حسیں
سیدانیاں ہیں، قید ہے اور ہے سپاہِ کیں
مقتل میں میری ماں کا سہارا کوئی نہیں
زنداں کی سختیاں شہِؑ بے سر کے بعد ہیں
اب آپ یا پھوپھی علیؑ اکبر کے بعد ہیں

(۱۴۰)

تھے مجھ سے چلتے وقت اشارے یہ بار بار
زندہ نہ ہوگے تم نہ شہِؑ آسماں وقار
تنہا جو ہوں گے وادیٔ غربت میں میں نثار
آئے گی فوجِ ظلم تو کیا ہوگا حالِ زار
آگاہ ہو جفاؤں سے فوج گراں کی تم
ہوگے کہاں جو آکے خبر لوگے ماں کی تم

(۱۴۱)

یہ کہتے کہتے بڑھ جو گیا کربِ احتضار
اتنا ہوا بیاں بھی دلِ ناتواں پہ بار
چہرے پہ دفعتاً ہوئی زردی سی آشکار
دردِ دلِ حسینؑ پکارا کہ ہوشیار
حق کی رضا میں ہے یہ گھڑی امتحان کی
پیری میں دیکھنا ہے جدائی جوان کی

(۱۴۲)

سنبھلے ادھر امامؑ ادھر آئیں ہچکیاں
برچھی (بھی) قلب کی حرکت سے ہوئی عیاں
ہنستے ہوئے لبوں نے کیا شہؑ سے یہ بیاں
دم جھک کے دیکھئے کہ مسافر ہوا رواں
واں نورِ عین قبر کی منزل کا ہوگیا
یاں امتحاں تڑپتے ہوئے دل کا ہوگیا

(۱۴۳)

خم لاش پر ہوئے شہِ دیں باندھ کر کمر
یوں دستِ رعشہ دار سے اٹھا جواں پسر
کام آئی بازوؤں کے لئے قوتِ جگر
لے کر چلے مکاں کی طرف شاہِؑ بحروبر
کام آیا اتنا زور شہِ مشرقین کا
ڈیوڑھی تک آکے بیٹھ گیا دل حسینؑ کا

(۱۴۴)

پہنچا جو گھر میں نالۂ سلطانِ خاص و عام
سر پیٹتے ہوئے نکل آئے حرم تمام
اللہ ناتواں ہوا اتنا دلِ امامؑ
بچے بٹھا کے لے گئے میت باہتمام
محشر کے قبل گھر میں بپا نشر ہوگیا
ماتم کی صف پہ لاش گئی حشر ہوگیا

(۱۴۵)

بولیں تڑپ کے خواہرِ سلطانِ بحر و بر
غش سے جگا کے دے کوئی سجادؑ کو خبر
چل سکتے ہوں عصا سے تو آئیں وہ لاش پر
مقتل سے بھائی آیا ہے ہو کر لہو میں تر
آنے نہ دے گی قیدِ تنِ پاش پاش پر
رولیں تڑپ کے قوتِ بازو کی لاش پر

(۱۴۶)

بستر تک آئی ماں تو چلا وہ اسیرِ غم
آہستگی سے اٹھ رہے تھے راہ میں قدم
یہ کہہ رہی تھیں بانوئے شاہنشہِ امم
جو لاش کے قریب ہیں ہٹ جائیں وہ حرم
باقی گلِ فراق ہیں کھلنے کے واسطے
آتا ہے بھائی بھائی سے ملنے کے واسطے

(۱۴۷)

گھبرا کے دیکھنے لگیں عابدؑ کو بی بیاں
حسرت بھری نگاہ سے محشر ہوا عیاں
کہتے ہوئے یہ آتے تھے سجادِؑ ناتواں
ناشاد و نامراد مرا بھائی ہے کہاں
پیشِ نگاہ صورتِ زخمِ جگر نہ تھی
اکبرؑ کی موت کی مجھے بالکل خبر نہ تھی

(۱۴۸)

ہے ہے مرا حسین وگل اندام و بے وطن
ہے ہے مرا غریب و شہیدِ غم و محن
ہے ہے مرا برادر ذی قدر و صف شکن
ہے ہے ضیائے شمعِ شبستانِ پنجتن
غربت میں گھر حسینؑ کا برباد کر گئے
صغریٰ سے چھٹ کے عین جوانی میں مر گئے

(۱۴۹)

باتیں کرو جو تم تو گلے لب تلک نہ آئیں
تم تو شہیدِ ظلم ہو ہم برچھیاں نہ کھائیں
دیکھے جو گھاؤ قلب کا وہ دل کہاں سے لائیں
خم سر ادب سے تم کرو اور ہم گلے لگائیں
جان اپنی ہم تمہاری سعادت پہ کھوئیں گے
زندہ اگر رہے تو جوانی پہ روئیں گے

(۱۵۰)

تھے مجھ سے چلتے وقت سوئے دشتِ کارزار
احکام تھے پھوپھی کے ذریعہ یہ بار بار
تنہائی لحد کی شکایت تھی میں نثار
دہشت دلا رہی تھی تمہیں ظلمتِ مزار
سورے لحد پہ تاجدِ امکاں پڑھیں گے ہم
جکڑے نہ ہوں گے ہاتھ تو قرآں پڑھیں گے ہم

(ماخوذ از نظارہ لکھنؤ مرثیہ نمبر فروری ۱۹۷۲ء، صفحہ نمبر ۵۵ تا ۶۷)